SHEHRI
اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو دنیا کو بدل سکتا ہے۔ مارگریٹ میڈ

شہری

برائے بہتر ماحول

اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

اندر کے صفحات میں

- عوامی بہتری کے جرم کی پاداش میں
- نگراں کمیٹی کی کارکردگی
- ویمنز پولیس اسٹیشن
- لوک ستہ تحریک

ریحانہ افتخار

ٹرانسپورٹ کے شعبے میں جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے

کراچی میں دس لاکھ سے زیادہ گاڑیاں رجسٹرڈ ہیں۔ غیر رجسٹرڈ گاڑیوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہمارے ملک میں پبلک ٹرانسپورٹ کا نظام اچھا اور موثر نہیں ہے۔ اس لئے لوگ اپنی ذاتی گاڑی استعمال کرنے پر مجبور ہیں سڑکیں خراب ہیں۔ سگنل کام نہیں کرتے۔ ٹریفک پولیس اہم چوراہوں پر موجود نہیں ہوتی چنانچہ روزانہ لاکھوں گھنٹے ضائع ہو جاتے ہیں۔ خراب اور دھواں اگلنے والی گاڑیوں کے پریشر ہارن سے شور کی آلودگی میں حد درجہ اضافہ ہو رہا ہے

ان ہی مسائل کو مدنظر رکھ کر گزشتہ دنوں شہری برائے بہتر ماحول نے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے ایک سیمینار کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں ٹرانسپورٹرز ایسوسی ایشن کے ارکان اور پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کرنے والے عوام نے شرکت کی۔ مقررین میں کمشنر کراچی جناب شفیق الرحمٰن پراچہ، ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی کے سیکریٹری جناب مقصود احمد قریشی، ٹریفک انجینئرنگ بیورو کے ڈائریکٹر جناب ظہیرالسلام، کراچی ٹرانسپورٹ اتحاد اور بس اونرز ایسوسی ایشن کے صدر ارشاد احمد بخاری اور منی بس ایسوسی ایشن کے صدر جناب طماس ملک شامل تھے۔ سیکریٹری ٹرانسپورٹ اور ڈی آئی جی ٹریفک پولیس بھی مدعو تھے لیکن مذکورہ دونوں سرکاری افسران تشریف نہیں لائے اور نہ آنے کی کوئی وجہ بھی نہیں بتائی۔ ان کی غیر حاضری سے شرکاء کو بہت مایوسی ہوئی کیونکہ سیمینار ٹرانسپورٹ کے شعبے سے متعلق تھا اس لئے بہت سے پہلو ان حضرات کی غیر حاضری کے باعث تشنہ رہ گئے۔

سیمینار میں ٹرانسپورٹ سے متعلق بہت سے مسائل سامنے آئے۔ سرکاری افسران نے ٹریفک کے نظام کو بہتر بنانے کی باتیں کیں تو ٹرانسپورٹروں نے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ کمشنر کراچی نے ٹریفک مسائل کے حل پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس شہر میں ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے روزانہ لاکھوں گھنٹے ضائع ہو جاتے ہیں۔

ٹریفک انجینئرنگ بیورو کے ڈائریکٹر ظہیرالسلام نے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے بہت سی معلومات فراہم کیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس شہر میں ۱۰ فیصد سالانہ کے حساب سے گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ یہاں فری ٹرانسپورٹ پالیسی کے تحت کام ہو رہا ہے اس لئے جو شخص بھی چاہتا ہے اپنی بس یا منی بس چلا سکتا ہے۔ اس پالیسی کا نفاذ ۱۹۷۱ء میں ہوا تھا۔ اس پالیسی کا فائدہ یہ ہوا کہ سڑکوں پر خوب گاڑیاں آئیں۔ بنیادی طور پر انہیں نشستوں پر مسافروں کو بٹھانا تھا۔ لیکن

آر ٹی اے کے سیکریٹری جناب مقصود احمد قریشی خطاب کر رہے ہیں جبکہ ڈائس پر شہری کی محترمہ امبر علی بھائی اور فرحان انور بیٹھے ہیں

شہری

بی 206 بلاک-2-پی ای سی ایچ ایس
کراچی-پاکستان
ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646

E-mail address:shehri
@onkhura.com
(web site) URL:http://www.
onkhura.com/shehri

ایڈیٹر : بینا صدیقی

انتظامی کمیٹی

چیئرپرسن : قاضی فائز عیسیٰ
وائس چیئرپرسن : وکٹوریہ ڈی سوزا
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : خطیب احمد
ارکان : نوید حسین، خطیب احمد
حنیف ستار

شہری اسٹاف

کوآرڈی نیٹر : مسز منصور
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر : محمد ریحان اشرف

شہری ذیلی کمیٹیاں

آلودگی کے خلاف : نوید حسین
تحفظ ورثہ : دانش آزر زوبی، حمیرا رحمٰن
میڈیا اور بیرونی روابط : حمیرا رحمٰن، محسن جعفری، فرحان انور
قانون : قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، رولینڈ ڈی سوزا، وکٹوریہ ڈی سوزا، خطیب احمد
پارکس اور تفریح : خطیب احمد
اسلحہ سے پاک معاشرہ : نوید حسین
قاضی فائز عیسیٰ
مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر / ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : زیڈ یو لال
پروڈکشن : انٹرپریس کمیونیکیشن

مالی تعاون : فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

جناب شفیق الرحمن پراچہ کمشنر کراچی

جناب ظریف السلام　　محمد ملک طہماس

حقیقتاً ایسا نہیں ہوا بسوں اور منی بسوں میں مسافر بھیڑ بکریوں کی طرح بھرے جانے لگے اور اکثر عوام کو چھتوں پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑتا ہے۔ اس صورتحال کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مقررہ ۵۴ روٹ پر لائسنس دیئے گئے ہیں لیکن ان پر بہت کم منی بسیں چل رہی ہیں۔ اسی طرح بسوں کے ۱۱۰ روٹس ہیں لیکن صرف ۴۸ روٹس پر بسیں چل رہی ہیں۔ اس صورتحال کی وجہ سے بھی مسافر چھتوں پر سوار ہو کر سفر کرنے پر مجبور ہیں۔ بس مالکان انہی روٹس پر اپنی بسیں اور منی بسیں چلاتے ہیں جہاں ان کو نفع حاصل ہو۔

ظہیر صاحب کا کہنا تھا کہ کراچی میں ٹرانسپورٹ کا مسئلہ کوئی ایک ادارہ حل نہیں کر سکتا مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے کے لئے سبھی کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا یہاں ۱۸ ایجنسیاں اس شہر کا نظام چلا رہی ہیں۔ یہ ایک مشکل شہر ہے جہاں کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ مثلاً یہاں کم سے کم پانچ ہزار بسوں کی ضرورت ہے۔ ہر بس ۱۵۰ سیٹوں پر مشتمل ہو اس میں کھڑا ہونے کی بھی جگہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ منی بسیں عوام کی بہت خدمت کر رہی ہیں۔ وہ ایسی ایسی جگہوں پر جاتی ہیں جہاں بسیں نہیں جاتیں۔ لیکن ان میں نقائص بہت ہیں۔ کراچی کی آبادی زیادہ ہے اور اس میں مسلسل تیزی سے اضافہ بھی جاری ہے تو یہاں ٹرانسپورٹ کے لئے اچھی اور بڑی بسوں کا ہونا ہی سود مند ہوگا کیونکہ بسیں سڑکوں پر جگہ کا ایک چوتھائی حصہ لیتی ہیں اور ۷۰ فیصد مسافروں کو اٹھاتی ہیں۔

بس اور

منی بس مالکان

صرف انہی

روٹس پر اپنی

بسیں اور منی

بسیں چلاتے ہیں

جہاں ان کو نفع

حاصل ہو

ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی کے سیکریٹری مقصود احمد قریشی کا یہ کہنا تھا کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا صرف دس فیصد حصہ ٹرانسپورٹ کی مد میں خرچ کر سکتا ہے کیونکہ ہمارے ملک میں اوسط آمدنی کم ہے۔ اس لئے موجودہ کرایوں کو بڑھانا مناسب نہیں ہے۔ کے آر ٹی سی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی بسیں نہیں چل رہی ہیں۔ چنانچہ پرائیویٹ بسوں پر مزید دباؤ بڑھا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہاں مزید بسوں کی ضرورت ہے۔ گورنمنٹ کو اس سلسلے میں مثبت قدم اٹھانے پڑیں گے۔ انہوں نے اس الزام کی تردید کی کہ ان کا محکمہ رشوت لے کر پرمٹ جاری کرتا ہے۔ فری ٹرانسپورٹ پالیسی کی وجہ سے جو شخص بھی ہم سے ٹرانسپورٹ پرمٹ کی درخواست کرتا ہے اسے پرمٹ مل جاتا ہے اور یہ فیصلہ بھی ایک شخص کی صوابدید پر نہیں ہوتا بلکہ یہ فیصلہ بورڈ کرتا ہے۔

منی بس اونرز ایسوسی ایشن کے صدر ملک طہماس نے کہا کہ ہمارے

کمشنر کراچی شہری کے اسٹاف ممبران کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں

مسائل بہت دیرینہ ہیں۔ ٹرانسپورٹ کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار ہمیں ٹھہرایا جاتا ہے حالانکہ قصوروار ہم اکیلے نہیں ہیں۔ انہوں نے پرزور مطالبہ کیا کہ کرائے بڑھائے جائیں۔ یہ کرایہ اتنا کم ہے کہ اخراجات بہ مشکل پورے ہوتے ہیں۔ نئی سرمایہ کاری کہاں سے کی جائے چنانچہ پرانی گاڑیوں کی مرمت کرکے انہیں ہی سڑکوں پر لے آتے ہیں۔ کراچی میں کرائے ملک بھر سے کم ہیں۔ سرحد اور پنجاب کے مقابلے میں یہاں کرائے ۸۷ فیصد کم ہیں۔ مہنگائی کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں لیکن کوئی آواز نہیں اٹھاتا لیکن اگر ہم کرایہ بڑھانے کا مطالبہ کرتے ہیں تو ایک شور مچ جاتا ہے۔

ملک صاحب نے یہ بھی کہا کہ ۸۵ء سے کراچی میں نئی منی بسیں لانے پر پابندی ہے۔ اس وجہ سے بھی پرانی منی بسیں چل رہی ہیں۔ ہمیں قرضہ نہیں ملتا کہ نئی گاڑیاں خرید سکیں۔ ہمیں بس ٹرمینل کے لئے جگہ نہیں ملتی چنانچہ گاڑیاں سڑکوں پر کھڑی کرنے پر مجبور ہیں۔ امن و امان کی صورتحال سب کے سامنے ہے۔ جب شہر میں ہنگامہ ہوتا ہے تو ہماری گاڑیاں جلادی جاتی ہیں۔ اب تک اربوں روپے کی مالیت کی گاڑیاں جل چکی ہیں لیکن ہمیں معاوضے کا ایک روپیہ نہیں ملا۔ بھٹو کے دور میں ہمیں کچھ رقم ملی تھی لیکن وہ بھی آٹے میں نمک کے برابر تھی کیونکہ گاڑی کی قیمت اگر ۱۰ لاکھ تھی تو اس کا معاوضہ صرف ایک لاکھ روپے ملا۔ سڑکوں کی حالت دیکھ لیں۔ ان پر چل کر گاڑی کا انجر پنجر ڈھیلا ہو جاتا ہے اس کی زندگی کم ہو جاتی ہے تجاوزات کا حال بھی سبھی کے سامنے ہے۔ گاڑی کے چلنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ پولیس کا رویہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے وہ ہم سے بھتہ لیتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ جن حالات سے ہم دوچار ہیں ان کا اندازہ عام آدمی کو نہیں ہے۔ ورنہ وہ کرایوں کے بڑھانے کی مخالفت نہیں کرے۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ کرایوں کی شرح پنجاب کے برابر کی جائے۔ ہم سے تو عوام سہولتیں مانگتی ہے اور حکومت کرایہ بڑھانے کی مخالفت کرتی ہے لیکن ہمیں بھی تو سہولتیں ملنی چاہئیں۔ اس کے بعد ہم سہولتیں فراہم نہ کریں تو سزا کے حقدار ہیں۔

ارشاد حسین شاہ بخاری کراچی ٹرانسپورٹ اتحاد کے صدر ہیں۔ انہوں نے بھی یہ مطالبہ کیا کہ کرائے بڑھنے چاہئیں۔ پولیس ہم سے ایک ہزار سے پندرہ سو روپے ماہانہ فی گاڑی بھتہ لیتی ہے اور ہم دینے پر مجبور ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پولیس والوں کی تنخواہوں میں اضافہ ہونا چاہئے۔ کم آمدنی بہت سی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر ان کی تنخواہیں مناسب ہوں گی تو وہ رشوت خوری اور بے ایمانی کے کام نہیں کریں گے۔

بسیں دھواں چھوڑتی ہیں، بسوں کے ڈرائیور تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہیں، اوور ٹیکنگ کرتے ہیں، سگنل توڑتے ہیں، پریشر ہارن کا استعمال بہت زیادہ ہوتا ہے، فحش گانے بجائے جاتے ہیں، بسیں بس اسٹاپ پر کھڑی ہونے کی جگہ جگہ کھڑی ہو جاتی ہیں۔ لیڈیز کمپارٹمنٹس نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان عوامی شکایتوں کا جواب دیتے ہوئے بخاری صاحب نے کہا میں ان سب غلطیوں کا اعتراف کرتا ہوں اور انہیں دور کرنا بھی چاہتا ہوں لیکن بہت سی مجبوریاں آڑے آتی ہیں مثلاً میں گاڑیوں میں گانے چلانے کا حامی نہیں ہوں لیکن ان کی فرمائش تو خود بعض مسافر بھی کرتے ہیں۔ اگر قانون کی حکمرانی ہو تو بسوں اور گاڑیوں میں ٹیپ ریکارڈر سرے سے ہونا ہی نہیں چاہئے۔ لیڈیز کمپارٹمنٹس کا مطالبہ صرف کراچی میں ہوتا ہے ملک کے کسی بھی حصے میں اس طرح کمپارٹمنٹ نہیں ہیں۔ وہاں بھی خواتین سفر کرتی ہیں اور ڈرائیور سمیت مسافر بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ سرحد اور پنجاب میں بھی یہی ڈرائیور ہیں وہاں تو یہ بدتمیزی نہیں کرتے۔ کراچی میں آکر ان کا رویہ کیوں بدل جاتا ہے۔ اس کا جواب تو کراچی کے شہریوں کو دینا چاہئے۔ جہاں تک ٹریفک سگنل توڑنے کا سوال ہے تو جہاں سرکاری حکام اور پڑھے لکھے افراد سگنل توڑتے ہوں وہاں بس ڈرائیور تو پھر جاہل ہیں۔ ساری بات قانون کی حکمرانی کی ہے۔ سخت قوانین ہوں اور ان پر عملدرآمد بھی ہو تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

جہاں تک پرانی اور دھواں چھوڑنے والی بسوں کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ اسی وقت حل ہوگا جبکہ کرایہ کم سے کم ۳ گنا بڑھایا جائے۔ اور نئی سرمایہ کاری کی جائے۔ اس وقت اصل ٹرانسپورٹرز تو خراب حالات کی وجہ سے میدان چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ ان کے نزدیک اب یہ شعبہ قابل منافع نہیں رہا ہے۔ اب تو وہ لوگ گاڑیاں چلا رہے ہیں۔ جو کبھی ڈرائیور تھے۔ مکینک یا کنڈیکٹر تھے انہوں نے سود پر قرضہ لیا اور گاڑی چلانے لگے۔ اس وقت تو ٹرانسپورٹ پر "سود مافیا" کا قبضہ ہے۔

باقی صفحہ ۲۱ پر

کراچی کے ایک شہری کا سوال

کراچی میں گزشتہ کئی برسوں سے فری ٹرانسپورٹ پالیسی کے تحت کام ہو رہا ہے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سڑکوں پر خوب گاڑیاں آئیں، بنیادی طور پر انہیں مسافروں کو نشستوں پر بٹھانا تھا، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوا

عوامی بہتری کے جرم کی پاداش میں

شہری نے ایک بار پھر معاشرے کے جرائم پیشہ عناصر کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس نے ملک کے عوام سے اپیل کی کہ وہ عملی اور ناعملی کے درمیان ایک کا انتخاب کریں۔ اسی صورت میں معاشرے میں قانون کی حکمرانی اور اعتدال پسندی قائم کرنے کی جدوجہد کی جاسکتی ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم اچھائی و نیکی کو فروغ دینا اور ناانصافی و ظلم کے خلاف احتجاج کرنا ہے۔ لیکن ایک ایسے معاشرے میں جہاں ناانصافی زندگی کا چلن ہو' جہاں قانون کی حکمرانی کا تصور ہی غائب ہوچکا ہو وہاں اس راہ پر چلنا حددرجہ تکلیف دہ اور خطرات سے خالی نہیں ہوتا۔ پاکستان میں آج کل یہ ہی کچھ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ جو حق کی بات کرنے کا خطرہ مول لیتے ہیں اور حالات کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں مختلف طریقوں سے ہراساں کیا جاتا ہے۔ جسمانی تشدد کے علاوہ انہیں عوامی مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مخصوص مفادات کے حامل گروہ وجود میں آچکے ہیں۔ جن کا تعلق معاشرے کے مختلف حصوں و طبقات سے ہے۔ برسوں کی پریکٹس اور محنت کے بعد وہ نہایت کامیابی سے ہمارے شہری معاشرے کی اس چھوٹے سے حصے کی مدہم لیکن مستقل و مسلسل آواز کو دبانے کا فن سیکھ چکے ہیں۔ حالانکہ یہ چھوٹا سا حصہ ان کے حقوق اور ان کی آزادیوں کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی ہمت کرتا ہے۔

شہری ایک غیر سرکاری ادارہ ہے جس نے ایسے شہریوں کو ہم خیال بنایا ہے جو بہتر ماحول کے خواہاں ہیں۔ آج کل ان شہریوں کے خلاف مہم چل رہی ہے ان کا جرم یہ ہے کہ وہ بہتر ماحول کے لئے کام کر رہے ہیں۔

عوامی مظاہروں اور ابلاغی ذرائع کے استعمال کے ذریعے ایک گروہ اسلام کا محافظ ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ انہوں نے شہری پر یہ الزام عائد کیا؟ کہ اس نے شہر میں دو مساجد کی تعمیر کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شہری ایک یہودی تنظیم ہے (امریکی اور سی آئی اے کا اثر ایک مانی ہوئی حقیقت ہے) جس کی سرپرستی غیر مسلم دوزخ کے کارندے کر رہے ہیں۔ یہ حربہ پاکستان میں ہمیشہ آزمایا گیا ہے کہ سازش کا منظر پیش کیا جائے تو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ اس منظر میں جو عنصر غائب تھا وہ "را" کا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر اس نفرت انگیز مہم میں اسے بھی شامل کرلیا جائے۔ "شہری" اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتی ہے کہ اسے پوری طرح وی آئی پی کا درجہ نہ ملا ہو یا اسے مصیبت کھڑی کرنے والے مستقل مزاج شہری حقوق کے لئے لڑنے والوں کے لئے نہ بچایا ہو۔

> وہ لوگ جو حق کی بات کرنے کا خطرہ مول لیتے ہیں اور حالات کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں مختلف طریقوں سے ہراساں کیا جاتا ہے' جسمانی تشددکے علاوہ انہیں عوامی مذاق کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے

شہری کے خلاف الزام کی بنیادی سطح کی تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ دعویٰ کتنا باطل تھا۔ شہری کے جھوٹے لیٹرہیڈ پر اس کے ایک رکن کے جھوٹے دستخط کے ساتھ ایک خط کو ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ بعد میں کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی نے شہری کی جانب سے کسی ایسے خط کی وصولی سے انکار کیا تھا جس مقامی اردو روزنامے میں سب سے پہلے یہ خبر شائع ہوئی تھی اس نے بعد میں شہری اور کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی دونوں کی تردید شائع کی تھی۔ اس مضحکہ خیز دعویٰ اور کھوکھلے' جھوٹے اور جعلساز نوعیت کے ثبوت اگرچہ کہ اس بغض و عناد اور بہتان باندھنے والی اس مہم کے اصل کرداروں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ انہوں نے ایک ہی مسئلے کے پیچھے پناہ لی اور یہ سوال و مسئلہ ایسا ہے جس کے

باقی صفحہ ۲۱ پر

کے بی سی اے کی نگراں کمیٹی کی کارکردگی

دو سال قبل کے بی سی اے کی نگراں کمیٹی تشکیل دی گئی تھی' اب یہ مدت ختم ہونے کو ہے' ناموافق حالات کے باوجود نگراں کمیٹی نے کون کون سے مثبت اقدامات کئے' اس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں

حکومت سندھ نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی کارگزاری پر نظر رکھنے کے لئے دو سال کی مدت کے لئے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (لینڈ (کے ڈی اے) /ایچ اینڈ ٹی پی/۳-۸۹/۹۶ بتاریخ ۱۹۹۶-۱۲-۲۳ کے ذریعے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔

اس وقت کے وزیر برائے ہاؤسنگ اینڈ ٹاؤن پلاننگ نے اس کمیٹی کو تشکیل دیتے ہوئے کہا۔

"سندھ کے تمام بڑے شہروں کے عوام کا یہ ایک دیرینہ مطالبہ تھا کہ ان کے شہروں میں منظم پھیلاؤ ہو' منصوبہ بندی کے تحت افزائش کا عمل ہو۔ یہ عمل فیصلے کرنے کی طاقت سے نہ ہو بلکہ انتخابی ہو۔ ہمیں ہر شہر کے کردار کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ اب یہ ذمہ داری آپ کی کمیٹی کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کو اپنے ساتھی شہریوں کی توقعات پر پورا اترنا چاہئے۔ یاد رکھیں بدنظم ہونا بہت آسان ہے۔ آپ کو اپنے خیالات اور سوچ دونوں میں تعمیری ہونا چاہئے"۔

یہ نگران کمیٹی سولہ ارکان پر مشتمل تھی۔ متعلقہ افسران کے علاوہ متعلقہ پیشہ ورانہ تنظیمیں' پیشہ ور افراد' متعلقہ این جی اوز اور ممتاز شہری اس کے اراکین میں شامل تھے۔

یہ نگراں کمیٹی ماہانہ میٹنگ کرتی تھی جس کے دوران مختلف اہم سرگرمیوں کو طے کیا جاتا ہے۔ اس کمیٹی نے یہ ثابت کیا کہ عمارات سے متعلق قوانین کی دھجیاں بکھیرنے کے عمل کو موثر طور پر چیک کیا جاسکتا ہے اس سے پہلے عمارات کو مطلوبہ اجازت نامہ حاصل کئے بغیر یا غیر قانونی طور پر تعمیر کیا گیا تھا۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی نے کوئی قدم اس لئے نہیں اٹھایا کہ یا تو اس نے خود غیر قانونی طور پر تعمیرات کرنے والوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا تھا یا وہ نااہل تھی یا اسے غیر قانونی تعمیرات کرنے والوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے روکا گیا۔ کیونکہ اہم ارباب اقتدار یا سیاستدان اس کی راہ میں مداخلت کرتے تھے۔ نگراں کمیٹی نے اس بات کو یقینی بنایا کہ متعلقہ قوانین کی کوئی خلاف ورزی نہ ہو چنانچہ یہ صورتحال پیدا ہوگی کہ کوئی رشوت نہیں مانگ سکتا تھا۔ کیونکہ کسی بھی قانون کو توڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ موثر اقدامات بھی کئے گئے تاکہ کے بی سی اے کے اندر پائی جانے والی نااہلیت کی روک تھام کی جاسکے۔

نگران کمیٹی کے اراکین

- چیئرمین' برائے پاکستان کونسل آف آرکیٹیکٹس اینڈ ٹاؤن پلانرز
- چیئرمین' برائے پاکستان انجینئرنگ کونسل
- چیئرمین' پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف سٹی اینڈ ریجنل پلانرز
- چیئرمین' ایسوسی ایشن آف بلڈرز اینڈ ڈیولپرز (آباد)
- چیئرمین' انڈس ویلی اسکول آف آرکیٹیکٹ
- اردشیر کاؤس جی
- رولینڈ ڈی سوزا' (شہری برائے بہتر ماحول)
- پروفیسر محمد نعمان' آف این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
- قاضی فائز عیسیٰ' بیرسٹر ایٹ لاء
- پروفیسر نعمان احمد' کو آرڈی نیٹر اربن ڈیزائن گریجویٹ پروگرام' داؤد کالج آف انجینئرنگ
- ڈائریکٹر جنرل ادارہ برائے تحفظ ماحول سندھ

اہم کامیابیاں

۱۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی میں عوام کے لئے ایک معلوماتی کاؤنٹر کا قیام

(الف) عام لوگوں کو معلومات' بلڈنگ پلان/دستاویزات کی فراہمی۔

(ب) کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی سے متعلق دیگر مسائل اور غیر قانونی تعمیرات کے بارے میں شکایات کو وصول کرنا۔

۲۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی کارکردگی کو شفاف بنانا اور اس تک عام آدمی کی پہنچ کو ممکن بنانا تاکہ معلومات اور دستاویزات عام آدمی کو آسانی سے مہیا ہوسکیں۔

۳۔ ان مختلف طریقہ کار' فارموں اور دستاویزات کو ہم معیار بنانا جو کے بی سی اے استعمال کرتی ہے۔ مثلاً سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس ۱۹۷۹ء کی دفعات ۷۔اے کے تحت آنے والے نوٹسوں اور خلاف ورزیوں سے متعلق ان نوٹسوں کو مناسب طور پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

۴۔ انگریزی' اردو اور گجراتی اخبارات میں باقاعدگی کے ساتھ پبلک نوٹس کی اشاعت تاکہ عام آدمی کی فیصلے کرتے وقت اعانت ہوسکے۔ یہ نوٹس مندرجہ باتوں سے متعلق ہیں۔

(الف) عوام کو غیر قانونی تعمیرات میں

باقی صفحہ ۲۲ پر

خطیب احمد

شکایت بہتری کی جانب پہلا قدم

اپنی شکایت تنظیم یا ادارے اس افسر یا فرد سے کریں جو اس سے براہ راست تعلق رکھتا ہو

عام طور پر لوگ بہت زیادہ تکالیف برداشت کرتے ہیں لیکن اپنی آواز تک بلند نہیں کرتے۔ اور نہ ہی شکایات کا اندراج کراتے ہیں۔ انہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شکایت کرنا اپنے لئے حالات کو بہتر بنانے کی جانب پہلے قدم کے مترادف ہے۔ معاملہ چاہے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اگر کامیابی سے شکایت کی جائے تو آپ کو اطمینان قلب حاصل ہوگا اور یہ احساس نہیں ہوگا کہ آپ کا استحصال ہوا ہے"۔

یوں بھی مناسب طریقے پر احتجاج کا اندراج ایک اصولی معاملہ ہے۔ شکایت کرکے ان دوسرے افراد کو بچایا جاسکتا ہے جو ان ہی مسائل سے دوچار ہیں اس سے منیجوں کو (سرکاری اداروں کے افسران و ملازمین) اپنے فرائض و ذمہ داریوں کے بارے میں چوکس و چوکنا رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

شکایت کرنے کے عمل سے انتہائی نتائج حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ باقاعدہ طریقے پر عمل کیا جائے۔

اپنی شکایت کس سے کریں

یہ بہتر ہوگا کہ اپنی شکایت تنظیم یا ادارے کے اس افسر یا فرد سے کریں جو اس سے براہ راست تعلق رکھتا ہو۔ اگر آپ کو کوئی مثبت جواب نہیں ملتا یا نتائج اطمینان بخش حاصل نہیں ہوتے تو پھر ارباب و اختیار کی اعلیٰ سطح تک شکایت کو پہنچانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اپنی شکایت کا اندراج کراتے وقت مندرجہ تسلسل و ترتیب کا خیال رکھیں۔

- ○ وہ شخص جو کام کرنے کا ذمہ دار ہے۔
- ○ مذکورہ شخص سے فوری بڑے عہدے پر فائز فرد۔
- ○ شعبہ کا سربراہ۔
- ○ ادارے کا سربراہ۔
- ○ عوام کا منتخب شدہ نمائندہ۔
- ○ محتسب اعلیٰ (وفاقی یا صوبائی)
- ○ گورنر/صدر

شکایت کیسے کی جائے اور نتائج حاصل کئے جائیں

شائستگی اور خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔

- ○ سب سے پہلے اس شخص سے مخاطب ہوں جو کام کرے گا یا پھر انچارج سے بات کریں۔
- ○ اپنا تعارف کرائیں۔ اپنا نام۔ پتہ۔ ٹیلی فون نمبر دیں (اگر فیکس نمبر ہو تو وہ بھی دیں) اصرار کریں کہ آپ کی شکایت سرکاری طور پر ریکارڈ پر لائی جائے اور شکایت کو وصول کرنے والے سے رسید بھی لیں۔ اپنی شکایت کو درج کرانے ثبوت یا رسید حاصل کرنا بہت اہم ہے۔ آپ اسے رجسٹرڈ اے ڈی۔ ڈاک اور کوریئر سروس سے بھیج سکتے ہیں۔
- ○ آپ مناسب وقت کے اندر مخصوص اعانت طلب کریں۔ جس تاریخ تک آپ کام کے ہو جانے کی توقع رکھتے ہیں خصوصیت کے ساتھ اس کی وضاحت کر دیں۔ اس حقیقت پر زور دیں کہ وہ ملازمت کی شرائط کے باعث موثر خدمات کی فراہمی کے لئے مجبور ہے۔
- ○ اگر مقررہ مدت میں کسی خاص وجہ کے بغیر بھی کام نہیں ہوتا تو۔
- ○ پھر اس کے فوری اعلیٰ افسر کو شکایت کی کاپی کے ساتھ یاددہانی کا خط بھیجیں اور اس سے مداخلت کی درخواست کریں۔ قانون و قاعدے کا حوالہ دیں کہ ایک افسر اپنے ماتحت کے رویئے کا ذمہ دار ہے (رول ایس انمبرز ۱۲۹ اور ۱۳۰۔ صفحہ نمبر ۵۵۱۔ ای ایس ٹی اے کوڈ دی سول اسٹیبلشمنٹ کوڈ)

اگر اطمینان بخش جواب، مداخلت اور اعانت نہیں ملتی تو۔

- ○ شعبے کے انچارج کو فوری توجہ کے لئے لکھئے اور پہلے کئی دنوں شکایتوں کی کاپیاں بھی منسلک کردیں اسے بھی مذکورہ ای ایس ٹی اے کوڈ رولز ایس انمبر ۱۲۹۔۱۳۰ (صفحہ ۵۵۱) کا حوالہ دیتے ہوئے یاددہانی کرائیں۔
- ○ اگر اب بھی جواب نہ ملے تو متعلقہ حکام (وزیر اعلیٰ۔ چیف سیکریٹری) کو سندھ سروس سرونٹس ایفیشنسی اور ڈسپلن رولز ۱۹۷۳ء۔ نوٹیفکیشن نمبر ایس او vii (ایس اینڈ جی اے ڈی) ۱/۱۴۳/۷۳ کے تحت اپنی شکایت بھیج دیں۔

اگر پھر بھی اطمینان بخش جواب موصول نہ ہو تو رپورٹ کریں۔

- ○ محتسب اعلیٰ۔
- ○ گورنر/صدر۔

اعانت کے لئے مندرجہ بالا ذرائع کو شکایت کرنے میں آپ کو عدالت یا وکیل کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قانون کی عدالت

چارہ جوئی کے لئے دوسرا راستہ بھی ہر شہری کو دستیاب ہے وہ عدالت میں اپنی شکایت کو لے کر جاتا ہے۔ اس راستے کا انتخاب کرنے پر شکایت کنندہ کو قانونی اخراجات (وکیل اور عدالت کی فیس وغیرہ) برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

(خطیب احمد شہری "سی بی ای" کی مجلس عاملہ کے رکن اور خزانچی ہیں)

فرحان انور

حکومت ہمارے تمام مسائل حل نہیں کرسکتی

پروین رحمٰن

○ فرحان : اس بات کو بہت زیادہ محسوس کیا جاتا ہے کہ ریاست عوام کو بنیادی خدمات کی ایک قابل قبول سطح فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ کیا شہریوں کو آگے بڑھ کر کام کے بوجھ کو اٹھانا چاہئے یا پھر یہ انتظار کرنا چاہئے کہ حکومت مسائل کو حل کرنے کے طریقے خود تلاش کرے؟

☆ پروین : اس حقیقت کا ادراک کرلینا چاہئے کہ حکومت ہمارے تمام مسائل حل نہیں کرسکتی۔ اگر ہم بنیادی خدمات مثلاً صحت، تعلیم، رہائش اور پانی کی بات کرتے ہیں تو عوام انتخابات یا ضرورت کے تحت اپنا تعاون فراہم کرنے میں رضامندی کا اظہار کرنے لگے ہیں صحت و صفائی اور رہائش ایسے دو شعبے میں جہاں یہ رجحان خاصا نمایاں ہے۔

○ فرحان : شہریوں کی شرکت کا موثر طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

☆ پروین : صحت و صفائی کی مثال لیجئے کیونکہ یہ ہر شخص کے دل کی آواز ہے برسوں کے عمل، تحقیق اور توسیعی تعلیم کے بعد یہاں اورنگی پائلٹ پروجیکٹ میں ہم نے اس ضمن میں ایک کم قیمت کا ماڈل بنایا ہے۔ اس ماڈل میں حکومت اور مقامی لوگوں، شراکت داروں اور حفظان صحت کی ترقی دو مرحلوں پر وجود میں آتی ہے۔ پہلا مرحلہ اندرونی ترقی اور دوسرا مرحلہ بیرونی ترقی کہلاتا ہے۔ پہلے مرحلے میں گھر کے اندر ٹوائلٹ گلی میں ایک زیرزمین سیوریج لائن اور محلے میں ایک ڈھکا ہوا بند نالہ تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اس کا مظاہرہ اورنگی میں کیا جاچکا ہے کہ مقامی لوگ اندرونی ترقی کے لئے رقم فراہم کرسکتے ہیں۔ انتظام کرسکتے ہیں اور اسے برقرار بھی رکھ سکتے ہیں۔

بیرونی ترقی بڑی بد رو یا نالہ اور ٹریٹمنٹ پلانٹ پر مشتمل ہے۔ ترقی کی اس سطح کے لئے عوام موثر نہیں ہوسکتے اور یہ حکومت کی ذمہ داری ہے اس قسم کے ماڈل کو ترقی کے دیگر شعبوں پر نافذ کیا جاسکتا ہے۔

○ فرحان : آپ ایک طریقے سے عوامی اور نجی شراکت داری کی تجویز پیش کر رہی ہیں۔ اس وقت تو یہ رشتہ گہری بداعتمادی کا شکار نظر آتا ہے پھر اس قسم کا ماڈل کس طرح کام کرسکتا ہے؟

☆ پروین : اسے کام کرنا ہی ہوگا۔ نجات کا صرف یہ ہی ایک راستہ ہے۔ یہاں اورنگی پائلٹ پروجیکٹ میں ہمیں اس قسم کے ماڈل کو چلانے میں اچھی خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ محلہ داری کی سطح پر ہونے والے منصوبوں میں ہم نے مقامی لوگوں کو اپنے شہری مسائل خود حل کرنے کے قابل بنایا جبکہ بڑے بنیادی ترقیاتی منصوبوں پر ہم حکومت سے تعاون کرتے ہیں تاکہ منصوبوں پر اس طرح عمل درآمد ہوسکے کہ وہ نظام اور شہریوں دونوں کی اصل ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بنیادی حقیقتوں کا سامنا کریں۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ قطعی طور پر نیا نہیں ہے۔ جب میں برطانیہ میں ہونے والی بنیادی شہری ترقی کے ابتدائی مراحل کی تاریخ پڑھ رہی تھی تو مجھے پتہ چلا کہ ان کے پلانرز نے منصوبوں کو باہر نافذ نہیں کیا

پروین رحمٰن کی تربیت ایک آرکیٹیکٹ کی حیثیت سے ہوئی لیکن انہوں نے ایک سماجی کارکن بننے کا انتخاب خود کیا— وہ دائود کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کراچی میں پڑھانے کی ذمہ داری سنبھالنے کے ساتھ اورنگی پائلٹ پروجیکٹ میں ڈائریکٹر کی خدمات سرانجام دے رہی ہیں— انہوں نے ان دونوں کاموں میں ایک خوبصورت توازن برقرار رکھا ہے— وہ جس آسانی اور مہارت سے یہ ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پیشہ ورانہ زندگی میں اپنے منتخب کردہ کرداروں سے مکمل طور پر مطمئن ہیں— اس سے سماجی تبدیلی کے لئے ان کی ہمت، سرگرمی اور لگن کا اندازہ بھی ہوتا ہے

کیونکہ ہوسکتا تھا وہ حقیقت سے دور ہوتے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف شہریوں کے منصوبوں کو ترقی دی بلکہ ان کی ان کوششوں کو سراہا جو وہ وسیع پیمانے پر ہونے والی ترقی کے لئے کر رہے تھے ہمیں شہریوں اور حکومت کے درمیان ایک ایسے رشتے کی تعمیر کی ضرورت ہے جس کی بنیاد اعتماد اور افہام و تفہیم پر ہو تاکہ ترقی کی ایک قابل قبول سطح کو یقینی بنایا جاسکے۔ شاید یہ آسان نہ ہو۔ لیکن یہ ایک نہایت پسندیدہ اور حقیقی انداز فکر ہے۔

○ فرحان : کیا آپ "اندرونی ترقی" کے اس موضوع کی مزید وضاحت کریں گی؟

☆ پروین : یہ اصطلاح اصل میں بنیادی سہولتوں کی ترقی پر لاگو ہوتی ہے۔ جن کا انتظام مکمل طور پر محلے کی سطح پر ہوسکتا ہے۔ شہری گروپ' این جی اوز' دیہی سماجی تنظیمیں اس سطح کی ترقی کو سنبھالنے کے لئے کلی طور پر مناسب ہیں۔ اس قسم کے اقدامات کو برقرار رکھنے کے لئے تیکنیکی معلومات کی فراہمی اہم ہے۔ جس کے لئے ہم تیکنیکی تعاون فراہم کرنے والے ادارے تعمیر کرسکتے ہیں۔ مثلاً اورنگی پائلٹ پروجیکٹ یا پھر شہری گروپ' ماہرین اور عالم افراد میں کچھ اپنا وقت اور اپنی ماہرانہ رائے دے سکتے ہیں۔ لیکن ادارے کی تعمیر سب سے بہترین طریقہ ہے جس کے ذریعے مستقل اور طویل مدت کی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔ عوام اور ماہرین کے درمیان بھی ایک شراکت داری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

○ فرحان : آپ کا کہنا ہے کہ ماہرین اور عالم افراد اس قسم کے منصوبوں میں تیکنیکی تعاون فراہم کرسکتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ماہرین اور فعال ادارے شہری ترقی کے عمل میں اپنا کردار مناسب طریقے پر ادا کر رہے ہیں؟

☆ پروین : بدقسمتی یہ ہے کہ فنی ماہرین ہمارے شہری بحران سے نمٹنے کے لئے موثر حل پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ ان مسائل کے حل کے لئے آگے نہیں آتے۔ ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ہمارے شہری ترقیاتی عمل کا پوری طرح ادراک نہیں کرسکے ہیں۔ ہمارے انجینئروں اور ماہرین تعمیرات کے خیالات شہر کی ضرورتوں سے ہم آہنگ نہیں۔ ایک عملی رسائی ناپید ہے۔ انہیں اپنے جمود کو دور کرنے اور اپنے افق کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس شہر اور ملک کی مستقبل کی ترقی میں انہیں ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔

○ فرحان : اس تناظر میں آپ این جی او سیکٹر کے کردار کا تعین کیسے کریں گی؟

☆ پروین : کمیونٹی کی بنیاد پر بننے والی تنظیموں اور گروپوں کے مقابلے میں این جی اوز کے ساتھ ہمارا تجربہ خوشگوار نہیں تھا۔ ہمیں ناامیدی ہوئی۔

○ فرحان : اورنگی پائلٹ پروجیکٹ سے دوسری این جی اوز کیا سیکھ سکتی ہیں؟

☆ پروین : او پی پی ایک ایسی تنظیم ہے جس کی نشوونما برسوں میں ہوئی ہے۔ "کوئی دوسرا آکر ہمارا کام کردے" یہ رویہ ہمیں کہیں کا نہیں رکھے گا۔ اسی وجہ سے ہم نے افراد کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے پر توجہ مرکوز کی۔ وہ نوجوان جو کل گلیوں میں گھنٹوں بے مصرف وقت گزارا کرتے تھے وہ آج ہمارے ساتھ اورنگی کی زمین کے بہتر استعمال کا منصوبہ تیار کر رہے ہیں۔ ہم معاشرے کے کسی طبقے یا حصے کے خلاف تعصب نہیں رکھتے۔ یہ بہت اہم ہے کہ بات چیت و مکالمے کے لئے ایک فورم قائم ہو تاکہ خیالات کا آزادانہ بہاؤ وجود میں آسکے۔ او پی پی ترقی کے متبادل ماڈلز تیار کرنے کے لئے کام کر رہا ہے۔ جن میں زیادہ شرکت مقامی انٹرپرائز کی ہوگی۔ اب زیادہ زور مددگار رہائشی پر دیا جا رہا ہے تاکہ مقامی سیاست کے تناظر میں ان کی سوداکاری کی قوت اور مہارتوں کو بڑھایا جاسکے۔ ہم نے اپنے کاموں کی مرکزیت کو ختم کرکے انہیں پانچ مختلف حصوں مثلاً صحت و صفائی (سینی ٹیشن) صحت' تعلیم' رہائش اور چھوٹے قرضہ جات میں تقسیم کردیا ہے۔

شہریوں اور حکومت کے درمیان ایک ایسے رشتے کی تعمیر کی ضرورت ہے جس کی بنیاد اعتماد اور افہام و تفہیم پر ہو' تاکہ ترقی کی ایک قابل قبول سطح کو یقینی بنایا جاسکے

○ فرحان : آپ کی چھوٹے قرضوں کی اسکیم نے لوگوں کو معاشی طور پر آزاد کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح انہیں اپنی زندگی پر اختیار حاصل ہوا۔ ہم باہمی تعاون کو غربت کے خاتمے کے لئے کس طرح استعمال کرسکتے ہیں؟

☆ پروین : اس نظام کو پھیلانے میں بینک بہت زیادہ کام کرسکتے ہیں۔ لیکن ہمارے بینک چھوٹے قرضوں سے نمٹنے کی تربیت نہیں رکھتے۔ وہ ایک شخص کو ایک لاکھ قرض دے سکتے ہیں۔ لیکن اتنی رقم دس لوگوں میں تقسیم کرنا ان کے لئے مشکل ہوگا۔

○ فرحان : نج کاری کو ہمارے مسئلے کا حل سمجھا جارہا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ پروین : نج کاری صرف اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب بنیادی حقیقتوں کا ادراک کرلیا جائے۔ ہماری بنیادی سہولتوں کا ڈھانچہ ہی مناسب طریقے سے دستاویزی شکل میں نہیں ہے بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ نظام کے ایک بڑے حصے کا انتظام شہریوں اور منظم نجی شعبے کے پاس پہلے سے ہے۔ اس کی تو پہلے ہی سے نج کاری ہوچکی ہے۔ چاہے یہ ٹرانسپورٹ ہو۔ کوڑے کرکٹ کا انتظام ہو یا واٹر اور سیوریج ہو۔ غیر رسمی شعبہ کا یہاں بڑا کردار ہے۔ ہمیں ان کے کردار کو ماننا پڑے گا اور مناسب طریقے پر نظام کی دستاویز بنانی ہوگی۔ ورنہ نج کاری کا کوئی منصوبہ یا بڑا ترقیاتی قدم کامیاب نہیں ہوسکتا۔ بلدیہ ایک کلاسیکی مثال ہے ہم یہاں او پی پی میں بڑی دردسری کے ساتھ اپنی بنیادی سہولتوں کی ترقی کے مختلف شعبوں کی دستاویز تیار کر رہے ہیں۔ شاید نتائج بہت سے لوگوں کو حیران کردیں۔

○ فرحان : کیا اب وقت نہیں آگیا ہے کہ کراچی کے لئے متحرک ماسٹرپلان ہو؟

☆ پروین : اس سلسلے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ کراچی کے لئے ایک ماسٹرپلان کو تیار کرنے کی فوری ضرورت ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں ایک ماسٹرپلان صرف اسی وقت کام کرسکتا ہے جب وہ بنیادی حقیقتوں کے مطابق ہو۔ ہمیں پہلے موجودہ صورتحال کو دستاویز میں لانے اور معاشرے کے مختلف شعبوں کے کردار کو تسلیم کرنے کی اولین ضرورت ہے۔ □

سلیقہ انور

بچے کو علم دینا بک گروپ کا عزم

یہ کسی اور دنیا میں پہنچ جانے کے مترادف تھا۔ بچپن کی دنیا' کتابوں' رنگوں اور تصویروں سے بھرپور دنیا' تخیل و تصورات اور حقیقتوں کی دنیا' بک گروپ کی ڈائریکٹر رومانہ حسین صاحبہ سے باتیں کرتے ہوئے مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

انہوں نے ۱۹۸۸ء میں سینٹر آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز اسکول (CAS) کے پرنسپل جناب سمیع مصطفیٰ کے ساتھ مل کر بک گروپ تشکیل دیا۔ سمیع مصطفیٰ اس کے چیئرپرسن تھے۔

دو پرعزم افراد نے بک گروپ کا آغاز کیا۔ دونوں کا تعلق سی اے ایس سے تھا۔ یہ کراچی کا ایک پرائیویٹ ادارہ ہے۔ ان کا مقصد بچوں کے لئے اردو میں معیاری کتب کی اشاعت تھی۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ سیمیناروں میں شرکت کرکے یہ رونا کہ اردو میں دستیاب کتابیں ناکافی اور غیرمعیاری ہیں۔ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ دونوں نے اپنے خیال کے مطابق ایک معیاری کتاب کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ سمیع مصطفیٰ نے "حسن کی گلی" کی کہانی لکھی اور رومانہ حسین نے اس کی تصاویر بنائیں۔ یہ ۱۹۸۸ء کا قصہ ہے۔ اس کے بعد سے انہوں نے پیچھے نہیں دیکھا۔ "حسن کی گلی" کا اب پانچواں ایڈیشن آچکا ہے۔ اس کی ۶۹۰۰۰ سے زیادہ کاپیاں اسکولوں میں زیر استعمال ہیں۔

بک گروپ پاکستان میں ایک کامیاب کہانی کی نمائندگی کرتا ہے۔ بچوں کے لئے

بک گروپ کی ٹیم کے ارکان

معیاری اردو ادب کے میدان میں یہ ایک عظیم کوشش ہے۔

مارکیٹ میں دستیاب دیگر کتابوں سے بک گروپ کی کتابیں کس طرح مختلف ہیں؟

اس سوال کے جواب میں رومانہ نے کہا ان کتابوں کا سب سے اہم پہلو تو ان کا مواد ہے موضوع کو لگے بندھے طریقے سے پیش نہیں کیا گیا۔ ان کتابوں میں پیش کی جانے والی کہانیاں سادہ اور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور ان دلچسپ موضوعات اور چیزوں کے بارے میں ہیں جن کا تجربہ بچوں کو ہوتا رہتا ہے انہیں خوبصورت تصاویر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس لئے بچوں نے اسے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ قبول کیا ہے۔

بدقسمتی سے ہماری موجودہ درسی کتابوں میں بغیر سوچے سمجھے زبانی حفظ کرنے والا مواد ڈال دیا جاتا ہے جو بچوں کی قوت تخلیق کو محدود کرتا ہے۔ بک گروپ اس طریقہ کار کو بدلنے کے لئے پوری طرح کوشاں ہے۔

بک گروپ کی بیشتر کتابوں کے ساتھ ٹیچرز گائیڈ موجود ہے۔ جس سے استاد کو مرحلہ وار گائیڈ لائن ملتی ہے۔ اس میں ذخیرہ الفاظ اور تصور کو ترقی دینا' خیالات کو واضح طریقے پر پیش کرنا اور اعتماد کی تعمیر کرنا بھی شامل ہے۔

میں نے فرووبل ایجوکیشن سینٹر کراچی کی ایک استاد مسز مہرخان سے بات کی جو پریپ I اور پریپ II کو پڑھاتی ہیں۔ ان کی فراہم کردہ معلومات خاصی مثبت تھیں۔

ان کا کہنا ہے کہ وہ جب بھی بک گروپ کی لکھی ہوئی کوئی کہانی پڑھتی ہیں تو کلاس کی شرکت داری سو فیصد تک بڑھ جاتی ہے۔ بچے کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ان کی سوچ کی سطح بہتر ہوتی ہے اور ان کا ردعمل کتاب کے مواد سے میل کھاتا ہے۔ ٹیچرز گائیڈ ٹیچر کی کارکردگی کو بہتر بنانے میں مزید مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اپنی کتابوں کی تیاری میں وہ کس قسم کی تحقیق کرتے ہیں۔ اس بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ایک ایک لفظ معتبر ہونے کے بارے میں بک گروپ کے ارکان خوب چھان پھٹک کرتے ہیں۔ بعض اوقات بحث و مباحثہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن فیصلہ ہمیشہ باہمی اتفاق رائے سے ہوتا ہے۔ مثلاً آنے والی ایک کتاب "پاکستان کی سیر" کو روکا گیا کیونکہ اس کے مواد اور لے آؤٹ میں آخری وقت میں تبدیلیاں لانی پڑیں۔ یہ کتاب بچوں کو پورے ملک کی سیر کرائے گی۔ مجھے ایک خوبصورت سی کتاب دکھائی گئی لیکن رومانہ نے ایک جملے کی نشاندہی کی' جملہ تھا "سندھی اور بلوچی عورتیں" اب بلوچی وہ لفظ ہے جو بلوچ افراد اپنی زبان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان کی عورتوں کا تعارف کرانے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ کتاب کو دوبارہ اشاعت کے لئے بھیج دیا گیا۔ اس قسم کی کاملیت قابل تعریف ہے۔

بک گروپ دیہاتوں اور گاؤں کے بارے میں لکھنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اس کے لئے بک گروپ کے اراکین سچا ڈینو گوٹھ گئے۔ وہاں کے مکینوں سے بات کی اور تصویریں کھینچیں تاکہ وہ خود ایک سندھی گاؤں کے بارے میں معلومات حاصل کرسکیں۔ اسی طرح وہ تھر کے

بارے میں ایک کہانی لکھنا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان کے بڑے شہروں کے بارے میں ایک سیریز لکھنے کا بھی منصوبہ بنا رہے ہیں۔

بک گروپ نے ایک گرلز اسکول کو بھی اپنایا ہے جس کا مقصد تعلیم میں بہتری پیدا کرنا ہے۔ پراعتماد رومانہ نے بتایا "تین برس قبل ہم نے جونیئر ماڈل گورنمنٹ گرلز پرائمری اسکول فریئر ٹاؤن کو اپنایا تھا۔ سندھ کی حکومت کے ایک نوٹیفکیشن کے تحت یہ اسکول ایک عارضی منتقلی تھی۔ جہاں ۶۵۰ لڑکیاں زیر تعلیم تھیں۔ ہم نے صرف ایک جزوقتی کوآرڈی نیٹر کو ملازم رکھا تاکہ یہ اندازہ لگاسکیں کہ مثبت تبدیلی کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں۔ ہم یہ دکھانا چاہتے تھے کہ موجودہ نظام میں اسی اسٹاف کے ساتھ بہتری لائی جاسکتی ہے۔ اصل مسئلہ نااہلی نہیں بلکہ بہتر انتظام ذمہ داری اور محاسبہ کی ضرورت ہے۔

بک گروپ کی سہ ماہی رپورٹ (جنوری تا مارچ ۱۹۹۸ء) کے مطابق جانچ پڑتال کے نتائج اطمینان بخش تھے۔ طالبات میں بہتری کے نشان نظر آئے۔ پڑھنے و سیکھنے میں ان کی دلچسپی اور اعتماد کو

ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ موجودہ نظام میں اسی اسٹاف کے ساتھ بہتری لائی جاسکتی ہے اصل مسئلہ نااہلی نہیں بلکہ بہتر انتظام ذمہ داری اور محاسبہ ہے

ان کے پیش کردہ کام میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بک گروپ کی تقریباً" سبھی کتابوں کو نجی پاکستانی اداروں نے اسپانسر کیا ہے یا پھر ملٹی نیشنل اسپانسر ہیں۔ کچھ اسپانسر انگرو کیمیکل لمیٹڈ، فیوجی فلم، پاک لمیٹڈ، حب لیدر پروڈکٹس، دی جرمن اسپیکنگ ویمنز کلب، احسان اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، بدین کشن جوائنٹ وینچر، اے بی این امرو بینک، نیوزی لینڈ ہائی کمیشن، سیڈا، جنرل ٹائرز اینڈ ربر، یو این ڈی پی، آسٹریلین ہائی کمیشن وغیرہ ہیں۔ مختلف اداروں اور افراد کی جانب سے ملنے والا مسلسل تعاون اور مدد بک گروپ کے لئے حوصلہ بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ جس کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہوگی۔

بک گروپ کی کتابوں کے واحد تقسیم کار "پیرا ماؤنٹ بکس" ہیں۔ زیادہ تر کتابوں کی قیمت بیس روپے ہے۔ لیکن کم آمدنی والے علاقوں میں کام کرنے والے اسکولوں کے لئے کتابوں کی قیمت کم کردی جاتی ہے۔ ہر اسکول کی مالی قابلیت کے مطابق کتابوں کی قیمت مقرر کی جاتی ہے۔ مستقبل کا پروگرام کیا ہے؟ بی جی بچوں کے لئے معیاری کتابیں لکھنے کا سلسلہ جاری رکھے گا۔

بک گروپ نے اکتوبر ۱۹۸۸ء میں ایک پائیلٹ پروجیکٹ کا آغاز کیا تھا وہ نصابی ترقی اور اساتذہ کی تربیت جیسے مسائل کو حل کرنے کی بھی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت کام بڑھ گیا اور اس میں کئی مختلف پہلو بھی پیدا ہوئے۔ متبادل کتابیں لکھی گئیں۔ جنہیں اسکولوں کی ایک بڑی تعداد نے قبول کیا ہے۔

بک گروپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے کام کو تعلیمی تحقیق اور ترقیاتی فاؤنڈیشن کے مرکز میں بدل دے گا۔ ای آر ڈی ایف ایک اسکول اور بک گروپ پر مشتمل ہوگا۔ چیکجر لمیٹڈ کے چیئرمین سید بابر علی ای آر ڈی ایف کا پیٹرن بننے کے لئے رضامند ہوگئے ہیں۔ اس کے دیگر آٹھ رکن جناب شوکت مرزا، جناب عاطف اے باجوہ، جناب جہانگیر صدیقی، زہرہ یوسف صاحبہ، جناب رشید جان محمد، جناب محمود وائی منڈوی والا، جناب فرخ شیخ اور جناب سمیع مصطفیٰ ہیں۔

قومی تعلیمی پالیسی کا جہاں تک تعلق کابینہ کی سب کمیٹی نے ماہرین کی ایک

باقی صفحہ ۲۲ پر

سید غضنفر علی

سندھ زرعی یونیورسٹی ٹنڈو جام

زراعت ہماری معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان دنیا کے ان چند خوش قسمت ممالک میں شامل ہے جو اپنی بیشتر غذائی ضروریات خود پوری کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن کیا مستقبل میں ہم اپنی زائی ضروریات کو پورا کرسکیں گے؟ اس رے میں کئی وجوہات کی بناء پر شکوک ، بہات پیدا ہو رہے ہیں۔ سیم و تھور، پانی کی آلودگی، پودوں اور کیڑے مار دواؤں کا غیر دانشمندانہ استعمال، فرسودہ اور غیر مناسب طریقہ کاشتکاری وغیرہ وہ چند بڑی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہماری فی ایکڑ پیداواری قوت کم ہو رہی ہے۔

کچھ مسائل کا سامنا ہمارے کاشتکاروں سمیت دنیا بھر کے کاشتکاروں کو بھی ہے۔ ان مسائل کو ہم زراعت کے شعبے میں علمی اور تحقیقاتی عمل کے ذریعے حل کرسکتے ہیں۔ کیونکہ اسی سوچ پر عمل کرکے بیشتر ممالک نے اپنی معیشت کو سنبھالا دیا اور زرعی شعبے کو ترقی دی۔ ہم اپنی زرعی حکمت عملی کو موثر طریقے پر نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں اس کے باوجود ہم نے زراعت کے شعبے میں قابل تعریف ترقی کی ہے۔

سندھ زرعی یونیورسٹی ٹنڈوجام وہ ادارہ ہے جو اس میدان میں کام کر رہا ہے۔ سندھ عظیم دریائے سندھ کی سرزمین ہے۔ یہاں بیشتر افراد کا تعلق او روزگار زراعت سے بالواسطہ یا بلاواسط جڑا ہوا ہے۔

سکھر بیراج کی تعمیر ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ اس سے پہلے جدید طریقہ کاشتکاری اور زرعی قرضوں کے حصول پر عمل درآمد نیا پید تھا۔ سکھر بیراج کی تعمیر کے بعد یہ ضروری ہوگیا کہ لوگوں کو زراعت سے متعلق جدید طریقوں، تیکنیک اور جدید معلومات فراہم کی جائیں تاکہ زرعی پیداوار کو بڑھایا جاسکے۔

منصوبہ بندی کرنے والے ماہرین کی کوششیں اس وقت ثمرآور ثابت ہوئیں جب انہوں نے ۱۹۳۹ء میں شاہ جارج پنجم کے نام سے سکرنڈ، ضلع نواب شاہ کے مقام پر ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جو ایک اعلیٰ تعلیمی ادارہ تھا۔ یہ ادارہ ۵۴-۱۹۵۴ء میں موجودہ مقام پر منتقل کردیا گیا اور اس کو سندھ ایگریکلچر کالج، ٹنڈوجام کا نام دیا گیا۔

ترقی کے اس میدان میں مزید اعلیٰ و جدید تحقیق کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے زرعی کالج کا درجہ بڑھایا گیا اور سندھ یونیورسٹی جام شورو میں ۱۹۷۰ء میں ایک اضافی کیمپس قیام عمل میں آیا۔ آخرکار ۱۹۷۷ء میں سندھ زرعی یونیورسٹی ایکٹ کے تحت سندھ زرعی یونیورسٹی ٹنڈوجام کو ایک مکمل یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

اس وقت یہ یونیورسٹی مختلف علم شعبوں مثلاً کلیہ پیداواری فصل، کلیہ تحفظ فصل، فیکلٹی آف زرعی اور معاشرتی علوم فیکلٹی آف زرعی انجینئرنگ شعبہ برائے مویشیوں کی پیداوار اور علاج اور ڈائریکٹریٹ برائے اعلیٰ تعلیم و تحقیق پر مشتمل ہے۔

یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں

زرعی مسائل کو علمی اور تحقیقاتی عمل کے ذریعے حل کرنا ممکن ہے، اسی طرح بیشتر ممالک نے اپنی معیشت کو سنبھالا دیا اور زرعی شعبے کو ترقی دی، ہم اپنی زرعی حکمت عملی کو موثر طریقے سے نافذ کرنے کے لئے ناکام رہے ہیں

گریجویٹ ڈگری پروگرام، پوسٹ گریجویٹ ڈگری پروگرام (ایم ایس سی) ایم فل اور پی ایچ ڈی ڈگری پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مناسب تعداد میں مختصر کورسز اور تربیتی پروگرامز بھی باقاعدگی سے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ زرعی افسروں اور معاونین، بینک افسران، زرعی ٹیکنیشن، ترقی پسند کاشتکار، چھوٹے کاشتکار، ہاری اور گھریلو خواتین کی تعلیمی و ملازمتی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکے۔

طلباء کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ عملی اور اطلاقی تعلیم میں دلچسپی لیں۔ یونیورسٹی میں موجود جدید لیبارٹریز اور لائبریریاں تحقیقی سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ لیکن اس کے مارٹی کلچرل باغات، نباتاتی باغات، اسٹوڈنٹس فارمز، مویشیوں کا تجرباتی اسٹیشن، مرغیوں کے فارم، حیوانات کا اسپتال، انجینئرنگ ورکشاپ بھی زرعی طلباء کو عملی تربیت فراہم کرنے کے لئے موجود ہیں۔ فصلوں اور چارے کی پیداوار کے لئے یونیورسٹی کے پاس ۷۵۰ ایکڑ زمین بھی ہے۔

یونیورسٹی کے قیام کا اولین مقصد طالب علموں کی مسلسل کارکردگی کے ذریعے کاشتکار برادری کو زرعی مہارت ہنرمند اور ٹیکنالوجی کی برق رفتار منتقلی

باقی صفحہ ۲۱ پر

سندھ میں زرعی شعبے کو درپیش مسائل کے بارے میں ماہرین کیا کہتے ہیں

کاشتکاری کے لئے استعمال ہونے والا یہ آلودہ پانی

پروفیسر محمد معین خان چیئرمین شعبہ علم الحشرات یہ محسوس کرتے ہیں کہ دریائے سندھ کے پانی کا معیار گر رہا ہے اور سندھ میں زرعی زمینوں کی ابتر حالت میں اس غیر معیاری پانی کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ دریائے سندھ سمندر میں گرنے سے پہلے اپنے ساتھ دریائے کابل، ستلج، بیاس اور راوی کا پانی بھی لے کر آتا ہے۔ جن میں ٹینری اور ٹیکسٹائل فیکٹریوں کا نقصان دہ فضلہ بھی شامل ہے۔ آلودگی کا دوسرا بڑا عنصر زرعی زمینوں کے اوپر سے آنے والا پانی ہے جس میں نقصان دہ پودوں اور کیڑے مار دواؤں کی آمیزش ہوتی ہے۔ شہری علاقوں اور آر بی او ڈی اور ایل بی او ڈی کے منصوبوں کا کوڑا کرکٹ اور فضلہ بھی اپنے برے اثرات ظاہر کر رہا ہے۔ دریائے سندھ کے پانی کے معیار کو جانچنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ آلودگی پیدا کرنے والے دیگر عناصر و عوامل کی نشاندہی بھی ضروری ہے اور دریا کے پانی کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے ضروری اقدامات کا اٹھایا جانا بھی بہت ضروری ہے۔

ہماری فصلوں کی فی ایکڑ پیداوار میں اضافے کی ضرورت

پروفیسر ڈاکٹر عبدالجبار شاہ طلباء کے امور کے ڈائریکٹر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہم اچھی فصلیں چاہتے ہیں تو زمین کی مناسب تیاری، بیجوں کا درست انتخاب و استعمال، فرٹیلائزر اور کیڑے مار دوائیں بہت ضروری ہیں۔ ڈاکٹر جبار یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر کھڑی فصلوں کو کیڑے مکوڑوں اور بیماریوں سے نہ بچایا جائے اور فصل کی صحیح وقت پر بوائی کٹائی نہ ہو تو فی ایکڑ پیداوار کم ہوتی ہے انہوں نے فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کے لئے بیجوں کی مقامی اقسام اور غیر ملکی بیجوں کی اقسام کی آمیزش سے فصلوں کو تیار کرنا سودمند ثابت ہوگا اگر یہ عمل مناسب تحقیق و احتیاط کے ساتھ روبہ عمل لایا جائے تو اگلے دس بارہ برسوں میں مثبت نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اس طرح ایک نئی اچھی اور اعلیٰ پیداوار حاصل ہوگی۔

چھوٹے کاشتکاروں کے مسائل

پروفیسر ڈاکٹر محمد خان لوہار شعبہ علم الحشرات سے منسلک ہیں۔ انہوں نے چھوٹے کاشتکاروں کا ایک بڑا مسئلہ فصلوں پر بوائی اور کٹائی کے وقت کیڑے مار دوائیوں کے اسپرے کے مضر صحت اثرات کو قرار دیا۔ پروفیسر لوہار کے مطابق بہت سے نوجوان زرعی کارکن کیڑے مار دوائیوں کا استعمال کرتے وقت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے کیونکہ وہ کیڑے مار دوائیوں کے درست طریقہ استعمال کے بارے میں مناسب علم نہیں رکھتے تھے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ کیڑے مار دوائیاں بنانے والی کمپنیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ یہ مسئلہ حل کریں۔ انہیں تعلقہ کی سطح پر صحت کے مراکز قائم کرنے چاہئیں جو خصوصی طور پر اس ضرورت سے لیس ہوں۔ انہیں گشتی صحت کی ٹیمیں بھیجنی چاہئیں اور کیمیکل کے صحیح استعمال کے بارے میں کاشتکاروں کو علم مہیا کرنا چاہئے۔ کاشتکاروں کی صحت کی جانچ پڑتال باقاعدگی سے ہونی چاہئے۔ ان کی زندگی کا بیمہ پی اے پی اے اور گورنمنٹ کی طرف سے ہونا چاہئے اور اگر کیڑے مار دوائیوں کی وجہ سے کسی کسان کی موت واقع ہوتی ہے تو ان کمپنیوں پر بھاری جرمانہ عائد کرنا چاہئے۔

جدید زرعی ٹیکنیکس کا تعارف

شمشاد حسین سیبیو شعبہ زرعی تعلیم میں لیکچرار ہیں۔ وہ زرعی شعبے کو زیادہ سے زیادہ پیداواری بنانے کے لئے انقلابی ٹیکنالوجی کو متعارف کرانے پر زور دیتے ہیں۔ مثلاً زمین کی سطح کو ہموار بنانے کے لئے لیزر ٹیکنالوجی اور زمین کے تحفظ کے لئے جدید طریقے اور زمین کی بار آوری کا تحفظ یہ سب عوامل زرعی شعبے کو مزید ثمر آور بنا دیں گے۔ وہ چھوٹے کاشتکاروں کے حالات کار کو بہتر بنانے پر بھی زور دیتے ہیں۔

باقی صفحہ ۲۳ پر

سوشل ڈیموکریٹک موومنٹ

کا ایجنڈا غیر انتخابی مگر سیاسی ہے

اس بات پر طویل عرصے سے بحث چل رہی ہے کہ ہمارا سیاسی نظام اسی وقت بہتر ہو سکتا ہے جب تک ماہرین علم' سماجی کارکن' ٹیکنوکریٹس اور عام شہری آگے بڑھ کر سیاسی اصلاحات کے لئے سرگرم عمل نہیں ہوں گے۔ حال ہی میں سوشل ڈیموکریٹ موومنٹ (ایس ڈی ایم) کے نام سے ایک تحریک شروع ہوئی ہے جس میں ایسے ہی افراد شامل ہیں اس کا ایجنڈا غیر انتخابی لیکن ضروری طور پر سیاسی ہے۔ اس کے مرکزی کوآرڈی نیٹر جناب ڈاکٹر قیصر بنگالی ہیں۔

ایس ڈی ایم کے کارکن کا خیال ہے کہ ملک کے اپنے قیام سے اب تک گزشتہ پچاس برسوں میں اگرچہ کہ سماجی' معاشی اور سیاسی محاذوں پر نمایاں ترقی کی ہے لیکن وہ قومی صلاحیتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ کم تر ہے۔ اس کی وجہ ناقص انتظامی اور اقتصادی حکمرانی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کامیابی و ترقی مختلف آمدنی والے گروہوں میں غیر منصفانہ طور پر منقسم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ناانصافی اور بداعتمادی کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ صورتحال ناقص طریقہ حکمرانی اور غیر جمہوری اقدامات کے باعث پیدا ہوئی۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کے ذرائع لامحدود ہیں اس کے باوجود اسے غربت' بنیادی سہولتوں کے فقدان' قدرتی ذرائع کے انحطاط اور بے روزگاری جیسے بڑے مسائل کا سامنا ہے۔

عوام کو مرکزیت دینے والی سیاست کو متبادل کے طور پر آگے لایا گیا ہے تاکہ ہمارے موجودہ سیاسی نظام کی خرابیوں کو دور کیا جاسکے۔ ایس ڈی ایم کا سیاسی اصلاحات کے لئے ۵ نکاتی چارٹر ہے۔

آمدنی اور دولت کی عدم مساوات کو کم کرنے' بے روزگاری اور غربت کے خاتمے' بنیادی خدمات کی فراہمی کو یقینی بنانے اور مستقل معاشی نشو و نما کے لئے ایس ڈی ایم اصلاحات کے لئے مندرجہ دو معاشی شعبوں کی نشاندہی کرتی ہے۔

زرعی اصلاحات

ایسے نئے اداروں کو متعارف کرانا جو زمین اور پانی کے ذرائع کے مستقل استعمال کو یقینی بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور زرعی نشوونما کے فائدوں کی مساویانہ تقسیم کو ممکن بنانا۔ کیونکہ یہ عوامل وقت کی اہم ضرورت ہیں۔ یہ موجودہ ظالمانہ جاگیردارانہ نظام کی جگہ لیں گے۔

مالی اصلاحات

ایس ڈی ایم نے نشاندہی کی ہے کہ امراء پر لگائے جانے والے براہ راست ٹیکس کل ٹیکسوں کی آمدنی کا چھوٹا سا حصہ یعنی ۱۵ فیصد ہے۔ جبکہ ٹیکسوں کی آمدنی کا ۵۵ فیصد بالواسطہ ٹیکسوں سے یعنی غریب کی جیب سے حاصل کیا جاتا ہے۔ مالی ڈھانچہ بھی اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ معیشت کی پیداواری صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں ناکام رہا ہے۔ جبکہ دفاع' انتظامی اور غیر ترقیاتی اخراجات کو سہارا دیا گیا ہے۔

ایس ڈی ایم نے اصلاح کے لئے دو اہم اقدامات کے اٹھانے پر زور دیا ہے۔

- سرمایہ کاری/پیداوار پر ٹیکس لگانے کی بجائے دولت' آمدنی اور پرتعیش اشیائے صرف پر ٹیکس لگایا جائے۔
- معیار زندگی میں بہتری لانے والی بنیادی سہولتوں اور خدمات کو برقرار رکھنے یا بہم پہنچانے پر سرکاری اخراجات ہوں۔

ریاست کی مرکزیت کو ختم کرنا

بلدیات کو آئینی طور پر حکومت کا بنیادی یونٹ مانا جائے اور اختیارات کی موثر تقسیم ہو۔ اس حقیقت کو یقینی بنانے کے لئے ایس ڈی ایم نے متعدد آئینی ترمیمات کی تجویز پیش کی ہے جس میں موجودہ قانون سازی کی فہرست کا خاتمہ

ایس ڈی ایم مقامی سطح پر کام کرنے والے عدالتی نظام کو مضبوط بنانے کا اعلان کرتا ہے ماتحت عدالتی نظام کو مکمل طور پر دوبارہ تشکیل ہونی چاہئے

قبائلی علاقوں پر سے وفاق کے کنٹرول کا خاتمہ اور بلدیاتی حکومت کا قیام شامل ہے۔ ایس ڈی ایم کا کہنا ہے کہ اختیارات میں کمی سے وفاقی، صوبائی اور بلدیاتی اداروں کے درمیان تعاون کا موثر نیٹ ورک تخلیق ہوگا جو مطلوبہ نتائج فراہم کرنے کی صلاحیت کا حامل ہوگا۔

بلدیاتی اداروں کے ڈھانچے کو پھر سے انتظامی، معاشی اور تیکنیکی حیثیتوں میں مناسب تقویت دینی پڑے گی۔ اس کے کام کی نگرانی مقامی عدلیہ کر سکتی ہے۔

عدلیہ کو مضبوط بنانا

ایس ڈی ایم مقامی سطح پر کام کرنے والے عدالتی نظام کو مضبوط بنانے کا اعلان کرتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں میں ججوں کی تقرری سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس عمل کو شفاف و غیر جانبدار بنانے کے لئے ایس ڈی ایم مختلف اقدامات کی نشاندہی کرتی ہے۔ ماتحت عدالتی نظام کی مکمل طور پر دوبارہ تشکیل ہونی چاہئے۔ اس کے لئے ڈسٹرکٹ اور سیشن عدالتوں کو آئینی حیثیت دی جائے گی اور ان کے کردار اور کام کرنے کی گنجائش و صلاحیت کو مناسب طور پر مضبوط کیا جائے گا۔

ایس ڈی ایم یہ محسوس کرتی ہے کہ عدالتی نظام میں اصلاح کے ساتھ ساتھ پولیس، تحقیقات اور مقدمے کی قانونی کاروائی کے عمل میں بھی اصلاحات لانی چاہئیں۔ جرائم کا تحقیقاتی نظام مقدمات کو عدالتوں میں پیش کرنے سے پہلے پولیس کو سازباز کرنے کی سہولت فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح کرمنل پروسیجر کوڈ کی دفعہ ۵۴ پولیس کو وسیع اختیارات تفویض کرتی ہے۔ دفعہ ۱۶۹ پولیس کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے عدالت میں کیس واپس لے لے۔

پارلیمانی جمہوریت کو مضبوط بنانا

ایس ڈی ایم یہ دلیل پیش کرتی ہے کہ مختلف طرز حکومت کے فوائد اور نقصانات پر بحث و مباحثہ کرتے وقت بحث کا مرکز صدر اور وزیراعظم کو دیئے گئے اختیارات کے درمیان توازن ہوتا ہے۔ جبکہ اصل مسئلہ پارلیمنٹ اور وزیراعظم کے درمیان اختیارات کے درست توازن کا ہے۔

ہمارے ملک میں قانون سازی کرنے والے اراکین انتظامی اعمال پر بہت معمولی کنٹرول رکھتے ہیں۔ قانون سازی کرنے والے اراکین کے پاس کئے ہوئے بجٹ تک میں انتظامیہ اپنی مرضی سے حتمی بجٹ اور ایس آر اوز کے ذریعے ترمیم لے آتی ہے۔ احکامات کا نفاذ کرنے والے حکومتی شعبے کو وسیع صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں چنانچہ منتخب ہو کر آنے والی حکومتیں اصل میں منتخب ڈکٹیٹر شپس ہوتی ہے۔

ہمارے "جمہوری" نظام کے اس تشویشناک نقص کو دور کرنے کے لئے ایس ڈی ایم شدید قسم کے اقدامات اٹھائے جانے پر زور دیتی ہے۔ مثلاً آٹھویں ترمیم کا مکمل خاتمہ، سینٹ کے لئے براہ راست انتخابات، جداگانہ انتخابات کا خاتمہ اور قومی و صوبائی اسمبلیوں میں نشستوں کی تعداد دگنی کرنا وغیرہ۔

ایس ڈی ایم یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کے لئے ۳۳ فیصد نشستیں مخصوص کی جائیں۔ بہت سے اہم قومی مسائل پر پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔

احتساب اور شفاف پن کو یقینی بنانا

بدعنوانی ہمارے معاشرے میں بری طرح رچ بس چکی ہے۔ اس کے پھیلنے کے دو بڑے عوامل بتائے جاتے ہیں۔ پہلی وجہ تو آمدنی و دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ہے اور دوسری وجہ غیر اخلاقی و غیر قانونی ذرائع کی دستیابی ہے جن کی مدد سے دولت اکٹھا کی جاتی ہے۔ باقی صفحہ ۲۲ پر

شہری فوٹو البم

ایک شخص کی روٹی دوسرے کی روزی

"کھوکھا" لب سڑک ریسٹوران

بے گھر شخص کی آرام گاہ

درختوں کی دیکھ بھال کریں